غزل نمبر: 3

غم ہے یا خوشی ہے تو

● مصنف: ناصر کاظمی ● صنف: غزل ● ماخذ: کلیات ناصر کاظمی

حالات زندگی:

ناصر کاظمی ۱۸ دسمبر ۱۹۲۵ء کو انبالہ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد سلطان کاظم رائل انڈین آرمی میں صوبیدار میجر کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم انبالہ سے حاصل کی۔ انٹر اسلامیہ کالج لاہور سے کیا اور بی اے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ کچھ نامساعد حالات کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ کر سکے اور واپس انبالہ چلے گئے قیام پاکستان کے بعد لاہور چلے آئے اور مختلف صحافتی اداروں سے منسلک رہے۔

علمی وادبی خدمات:

ناصر کاظمی کی غزلوں میں ہجرت کا دکھ، اداسی، تنہائی، احساس محرومی وناکامی یادرفتگان جیسے موضوعات کثرت سے نظر آتے ہیں۔ ناصر کاظمی نے اس وقت غزل کی ساکھ کو قائم رکھا جب ترقی پسند تحریک زوروں پر تھی اور غزل کے مقابلے میں نظم

کو زیادہ فروغ حاصل تھا۔ اردو ادب میں جدیدیت کا رجحان فروغ پانے لگا تھا لیکن ناصر کاظمی اس سے متاثر نہیں ہوئے اور وقت کے ساتھ ساتھ ناصر کاظمی کی شاعری کی معنویت کا احساس فزوں سے فزوں تر ہونے لگا۔ ناصر کاظمی گہرا انسانی شعور رکھتے تھے۔ وہ لفظ کی قدر وقیمت پہچانتے ہیں۔ روز مرہ الفاظ کی مناسب تزئین وترتیب سے اپنے خیالوں کی دنیا تخلیق کرتے ہیں۔ سادگی، افسردگی، دردمندی، سوز وگداز اور اثر آفرینی میں ان کی غزلیں میر کی غزلوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ موسیقیت، مترنم بحریں، عمدہ تشبیہات و استعارات جدت فکر، داستانوی تحیر برجستگی ان کے اسلوب کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

تصانیف:

برگ، دیوان، پہلی بارش، خشک چشمے کے کنارے، نشاط خواب، سر کی چھاؤں (منظوم ڈرامہ)

مشکل الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
غم	دکھ، تکلیف	آفتوں	مشکلات
چین	سکون	چراغ	شمع، روشنی کا منبع
خزاں	ایسا موسم جس میں درختوں سے پتے جھڑ جاتے ہیں، غم ،رنج	بہار	ایسا موسم جس میں درختوں پر پتے وغیرہ نکل آتے ہیں، خوشی
رت	موسم	وجہ دوستی	دوستی کی وجہ
دیار	کوچہ، گلی، دنیا	اجنبی	ناواقف، بیگانہ

اشعار کی تشریح

شعر نمبر1:

غم ہے یا خوشی ہے تو
میری زندگی ہے تو

حوالہ شعر:

صنفِ سخن: غزل
شاعر کا نام: ناصر کاظمی
ماخذ: کلیاتِ ناصر

مفہوم:

چاہے دکھ اور تکالیف سے بھری ہوئی ہے یا خوشیوں کا پیغام ہے یہی زندگی کی حقیقت ہے۔

تشریح:۔

ناصر کاظمی کی شاعری میں میر تقی میر اور اختر شیرانی کا رنگ شاعری نظر آتا ہے۔ جہاں میر کی طرح عشق، درد، ہجر اور غم کو اپنی شاعری میں شامل کرتے تھے تو وہاں اختر شیرانی کی طرح رومان کو بھی شاعری کا حصہ بناتے تھے۔ ناصر کاظمی مشکل پسند شاعر نہ تھے اور نہ ہی ان کی شاعری مشکل استعاروں کا گھر معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ وہ آسان اور سادہ الفاظ میں گہری بات کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کے موضوعات میں ہجرت، غم، یاد، ماضی، تنہائی، اداسی اور رات اہم موضوعات ہیں۔

اس شعر میں ناصر کاظمی اپنی زندگی کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ خوشی اور غم ہمیشہ سورج کی روشنی کی طرح انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ لمبی زندگی میں، کھٹی اور میٹھی چیزوں کی طرح دونوں کا ذائقہ ہوتا ہے۔ خوشی اور غم ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور اس حقیقت کو آج تک کوئی مٹا نہیں سکا ہے۔ دراصل خوشی سے محبت اور دکھ سے نفرت کی سوچ ہی کئی مسائل کا سبب بنتی ہے اور اسی سے زندگی الجھ جاتی ہے۔ انسان کی زندگی بھی خوشی اور غم سے منسلک رہتی ہے۔ لمبی زندگی میں، کھٹی اور میٹھی چیزوں کی طرح دونوں کا ذائقہ ہوتا ہے۔ کاظمی صاحب یہی اسی حقیقت سے آگاہ کر رہے ہیں کہ خوشی اور غم زندگی کو خوبصورت بناتے ہیں۔ اس صورتحال میں خوشی سے محبت اور دکھ سے نفرت کی سوچ ہی کئی مسائل کا سبب بنتی ہے اور اسی سے زندگی الجھ جاتی ہے۔ دونوں حالات کے مابین توازن پیدا کرنے کے لئے ایک مثبت رویہ اپنانے کی ضرورت ہے۔ مرزا غالب نے کہا تھا

قیدِ حیات، بند و غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں

خوشی اور غم ایک ساتھ چلتے رہتے ہیں، لیکن ہماری آنکھوں پر پردے کی وجہ سے ہم اس کا فرق محسوس نہیں کر پاتے خاص طور پر غم کو سمجھ نہیں پاتے۔

خوشی کی تعریف ہر شخص کے لئے مختلف ہوتی ہے، جیسے پیسہ غریبوں کے لئے خوشی ہوتی ہے جبکہ امیر کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم کمانا خوشی ہے۔ سنگین بیماری میں مبتلا شخص بستر پر لیٹے موت کی خواہش کرتا ہے اور نوجوان اچھا شریک حیات اور اپنی کار، بنگلہ اور مادی سہولیات کو خوشی سمجھتا ہے۔ لیکن ان سب کے حصول کے بعد بھی، انسان خوش نہیں ہوتا ہے، اسے محسوس ہوتا ہے کہ جس کے پاس اس کے سے زیادہ عیش و آرام ہے۔ دل کو تسلی دینے کی بات ہے ورنہ دنیا میں کچھ ایسی مثالیں موجود ہیں جب عام طور پر غمگین دکھائی دینے والے ذہنی طور پر انتہائی خوش ہوتے ہیں۔ جس شخص کے پاس زیادہ پیسہ نہیں ہوتا مگر وہ اپنی حقیقت سے مطمئن ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے بہت زیادہ کی خواہش نہ کرو کیونکہ خواہشیں پوری ہونے کے باوجود انسان خوش نہیں ہوتا ہے۔

خوشی اور غم کی کوئی حد نہیں ہے۔ ایسی صورتحال میں اپنے آپ کو انتہائی اداس اور بدقسمت سمجھنا جہالت کی علامت ہے۔ ایک مثال کے ذریعے سمجھئے کہ ایک بیمار انسان اپنی زندگی دو طریقے سے جی سکتا ہے۔ پہلا طریقہ یہ کہ وہ اپنی بیماری کو قسمت سمجھ کر موت کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ دوسرا، اپنی بیماری کو اللہ کی مرضی سمجھ کر اسے بھرپور انداز میں جینے کی کوشش کرتا ہے۔ جتنا وقت اسے میسر ہے وہ اسے بخوشی گزارتا ہے۔ یہ ہمارے اوپر منحصر ہے کہ ہم کس طرح زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ ناصر کاظمی بھی اپنی زندگی چاہے وہ دکھوں سے بھری ہے یا خوشیوں کا مجموعہ ہے۔ اس سے سمجھوتہ کر چکے ہیں۔

کٹ تو گیا ہے کیسے کٹا، یہ نہ پوچھیے
یارو! سفر حیات کا آساں تو نہ تھا

شعر نمبر2:

آفتوں کے دور میں
چین کی گھڑی ہے تو

حوالہ شعر:

صنفِ سخن: غزل
شاعر کا نام: ناصر کاظمی
ماخذ: کلیاتِ ناصر

مفہوم:

تکالیف بھری اس زندگی میں محبوب کا قرب اطمینان سے بھرا ہوا ہے۔

تشریح:۔

ناصر کاظمی کی شاعری کا اہم ترین وصف سادہ اور سلیس زبان کا استعمال ہے۔ ان کی شاعری میں ہمیں درد، اُداسی اور مایوسی کے ساتھ خوشی، جذباتی محبت اور پھر کمال کی رجائیت بھی ملتی ہے۔ درد اور صدمے کی جو کیفیات ہمیں ناصر کاظمی کی شاعری میں جابجا ملتی ہیں، وہ دراصل تقسیم ہند کا شاخسانہ تھا۔ ہجرت کا جو تجربہ انہوں نے حاصل کیا اس کی اپنی جہتیں ہیں۔ ناصر کاظمی کی شاعری میں ہجرت کا تجربہ خوف اور دہشت کی صورت میں ملتا ہے یہ غزل ان کے انہی دکھوں کا اظہار ہے۔ کاظمی صاحب بیان کرتے ہیں کہ انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ انسان کا دل ویران ہو، تو اسے ہر طرف ویرانی ہی نظر آتی ہے۔ ہر شاعر کے پاس زندگی کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، جنہیں وہ وقفے وقفے سے اشعار کی شکل میں ڈھالتا رہتا ہے۔ میں سے ہر شخص مصائب سے بچ کر زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ دکھ اور الم کی زندگی کوئی نہیں پسند کرتا۔ ہماری تمام تر کدوکاوش کے پیچھے یہی جذبہ ہوتا ہے کہ مصائب و آلام سے بچ کر زندگی گزاری جائے۔

؎ جو گزاری نہ جاسکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے

مگر یہ دنیا آزمائش کے جس اصول پر بنی ہے اس میں ہماری لاکھ کوشش کے باوجود مصائب ہمارا رخ کر ہی لیتے ہیں۔ آزمائش کا یہ قانون چونکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے اس لیے دنیا سے مصائب کو ختم تو نہیں کیا جا سکتا البتہ اگر یہ بات سمجھ لی جائے کہ آزمائش کے علاوہ وہ کون سی چیزیں ہیں جو مصائب و آلام کا سبب بن جاتی ہیں تو انسان بڑی حد تک مصائب سے بچ کر زندگی گزار سکتا ہے۔ یہ دراصل انسان کی ذہنی کیفیت ہے کہ اس زندگی کو وہ کیسے گزارنا چاہتا ہے۔ اگر تو انسان ماضی کی یادوں میں ڈوبا رہے اور ماضی کی تلخ یادیں اس کے زخموں کو ہرا کرتے رہیں پھر زندگی بھاری ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک بہادر اور حوصلہ مند انسان ہر طرح کے حالات میں زندگی گزارنے کا تہیہ کر لے تو اس کے لئے زندگی سکون و اطمینان کا باعث بنتی ہے۔

؎ جانتے ہیں یہاں دشوار بہت ہیں راہیں
ہم مصائب سے بھی لڑنے کا ہنر رکھتے ہیں

شعر نمبر3:

میری رات کا چراغ
میری نیند بھی ہے تو

حوالہ شعر:

صنفِ سخن: غزل
شاعر کا نام: ناصر کاظمی
ماخذ: کلیاتِ ناصر

مفہوم:

محبوب کی یاد ہی میں رات گزارنے میں بسر ہوتی ہے اور اس کے تصور سے ہی پر سکون نیند آتی ہے۔

تشریح:۔

ناصر ان شاعروں میں شامل ہوتے ہیں جنہوں نے ہجرت کے المیہ کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ وہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان چلے آئے۔ ہجرت کرنا آسان نہیں ہوتا، انسان ماضی میں قید ہونے لگتا ہے اور ناصر بھی ماضی میں قید ایک شاعر ہے۔ ماضی کی یادیں ان کی شاعری کا ایک اہم پہلو بن کر ابھرتی ہیں۔ جیسے کہ وہ اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں۔

؎ ناصر بہت سی خواہشیں دل میں ہیں بے قرار
لیکن کہاں سے لاؤں وہ بے فکر زندگی

رات کا ذکر ناصر کاظمی کی شاعری میں بار بار ہوا ہے۔ وہ بار بار رات کو اپنی شاعری میں استعارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ رات ایک تخلیق کی علامت بھی ہوتی ہے۔ رات خوف، اداسی اور یاد کو بھی جنم دیتی ہے۔ اس شعر میں بھی ناصر کاظمی صاحب دراصل رات کے چراغ کو علامت کے طور پر ہی استعمال کر رہے ہیں محبوب کی یاد بھی ہو سکتی ہے، ماضی کی ان کہی یادیں بھی ہو سکتی ہیں۔ ایسے تکالیف اور دکھ ہیں جو رات بھر سونے نہیں دیتے۔ اردو شاعری میں چراغ علامت ہے دل کی یادوں کی، کہ جس طرح چراغ رات بھر جلتا رہتا ہے اور اس کا کام صرف روشنی فراہم کرنا ہوتا ہے اسی طرح میرا دل بھی رات بھر خود بھی جلتا رہتا ہے اور ساتھ مجھے بھی جلاتا رہتا ہے اور نیند کو سو دور ہوتی ہے۔ اگلے مصرعے میں ناصر کاظمی صاحب کہتے ہیں کہ وہ جو یادیں ہیں وہ نیند کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ ایسی یادیں بھی ہیں جو نیند اور قرار دے رہی ہیں۔ اس سے مراد یہ لیا جا سکتا

ہے کہ جب انسان تکالیف اور دکھ اور قرب کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور اپنے ذہنی کرب کے بعد اپنے آپ کو زندگی کے سپرد کر دیتا ہے تو اس کو پھر سکون سے نیند آ ہی جاتی ہے۔ حالانکہ رات اور وہ بھی وہ رات جو ماضی کی یادوں سے بھرپور ہو اس رات میں نیند آنا ایک فرض محال ہے، لیکن حالات سے جب انسان سمجھوتہ کر لیتا ہے تو پھر وہ اطمینان سکون کو سمیٹ ہی لیتا ہے ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ محبوب کی خوبصورتی اور اس کے حسن و جمال کے بے شمار پہلو عاشق کے دل بے قرار جو سکون فراہم کرتی ہیں۔ اس کی خوبصورت یادوں میں محو ہو کر وہ نیند کی خاموش وادیوں میں اتر جائے۔

دیارِ دل کی رات میں چراغ سا جلا گیا
مِلا نہیں تو کیا ہوا وہ شکل تو دکھا گیا

شعر نمبر 4:

میں خزاں کی شام ہوں
رت بہار کی ہے تو

حوالہ شعر:

صنفِ سخن:	غزل
شاعر کا نام:	ناصر کاظمی
ماخذ:	کلیاتِ ناصر

مفہوم:

میں خزاں کی طرح اُجڑا ہوا اور ستم رسیدہ ہوں جبکہ محبوب بہار کی طرح رُونق اور دلفریب ہے۔

تشریح:۔

اس شعر میں ناصر کاظمی خود کو خزاں کی شام اور محبوب کے دل گداز تصور کو موسم بہار سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ خزاں کی شامیں کیوں اداس کرتی ہیں؟ دن کیوں خاموش اور راتیں کیوں گہرے راز لیے محسوس ہوتی ہیں؟

زرد ہوائیں، زرد آوازیں، زرد سرائے شام خزاں
زرد اداسی کی وحشت ہے اور فضائے شام خزاں

مگر اس موسم میں شعرا اور ادبا نے وہ ادب پارے اور شعری مجموعے تخلیق کیے ہیں کہ بہار کی شہنائی خزاں کے دلربا نغمات میں ڈوبتی دکھائی دیتی ہے۔ انسانی زندگی کا مستقل کوئی رنگ، کوئی ذائقہ اور کوئی موسم نہیں۔ لحہ بہ لحہ اس کے رنگ اور محسوسات بدلتے ہیں۔ دراصل یہ بدلتی کیفیات ہی اس کے اصل رنگ ہیں۔ خوشی کے لمحے عارضی اور جلد گزر جانے والے جبکہ ملن کی امید اور وصل کی گھڑی کا انتظار پُرکیف ہوتا ہے۔ سرد موسم کی طویل راتیں، خمار آلود گہری شامیں، خنک صبحیں ہمیشہ اداسی کا سبب بنتی ہیں۔ خزاں رُت اداسی کا استعارہ ہے تو بہار کی آمد کی پیشگی اطلاع بھی ہے۔ اس کے دامن میں موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی واضح علامت اور روشن ثبوت موجود ہیں۔ اس لئے ناصر کاظمی محبوب کی خوبصورت ہستی اور اس کی دلربا یادوں کو بہار کی رت کہہ رہے ہیں۔ اس تھکی ماندی اور تکلیف دہ زندگی میں چند لمحے ایسے ضرور میسر آتے ہیں جس سے انسان دل سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ انہی لمحات کو انسان بجا طور پہ موسم بہار کا نام دیتا ہے۔ عروج و زوال انسانی زندگی کا حصہ ہیں، غربت و امارت طے شدہ باتیں ہیں۔ لیکن انسان تنگی میں گزارے ہوئے پسماندہ اور مصیبت زدہ حالات کو تب ہی جھیل پاتا ہے جب اس کو بہار آنے کی امید باقی رہتی ہے تو اس شعر میں بھی ناصر کاظمی صاحب نے حوصلے اور رجائیت کا پیغام دیا ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنی تلخ یادوں پسماندگی اور تکلیف کے سائے میں نہیں زندہ رہنا چاہیے بلکہ اسے اس امید حوصلے کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے کہ وقت اچھا آئے گا کیونکہ ناصر کاظمی نے خود ہی کہا تھا:

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

موسم بہار ویسے بھی زندگی کی علامت ہے۔ ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا انسان خواہ وہ کسان ہو، مزدور ہو، استاد ہو، طالب علم ہو اپنے برے دنوں سے اس لیے ہی لڑتا ہے کہ اس کو اچھے دنوں کی امید ہوتی ہے۔ نا امیدی اور حوصلہ ہار جانا دراصل ایسے ہی ہے جیسے انسان خزاں کے موسم میں پژمردہ گرے ہوئے پتوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ لیکن حوصلے سے

آگے بڑھنا اور امید کا دامن تھام لینا، اس سے انسان کو بہار کی آمد کا اندازہ ہو جاتا ہے تو ناصر کاظمی صاحب اس شعر میں یہی حوصلہ اور ہمت دے رہے ہیں کہ انسان کو اپنے ماضی کو دفن کر کے اچھے مستقبل کے لیے مثبت جدوجہد کرنی چاہیے تو تب ہی وہ بہار کے موسم سے ہم کنار بھی ہو سکتا ہے اور لطف اندوز بھی ہو سکتا ہے۔

شعر نمبر5:

دوستوں کے درمیاں
وجہ دوستی ہے تو

حوالہ شعر:

صنفِ سخن: غزل
شاعر کا نام: ناصر کاظمی
ماخذ: کلیاتِ ناصر

مفہوم:

محبوب کی بدولت ہی دوستوں میں دوستی بر قرار ہے۔

تشریح:۔

ناصر کاظمی اس شعر میں دوستی کی مختلف وجوہات کا ذکر کر رہے ہیں انسانی زندگی میں ہر شعبے ہر عمر اور ہر نوعیت کی دوستی کا معیار الگ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگر شعرا آپس میں دوست ہیں تو ان کے درمیان دوستی کی مشترکہ وجہ شعر و شاعری کے موضوعات ہی ہوں گے۔ اسی طرح کوئی ادیب یا مصنف ہو تو ان کی درمیان ایسے موضوعات ہی ہمیشہ زیر بحث رہتے ہوں گے جن کا تعلق ناول یا افسانے سے ہوتا ہے۔ اگر دوست دو چھوٹے بچے ہوں تو ان کی گفتگو کا محور و مرکز کھلونا، کھیلوں اور معصومانہ باتوں کے گرد ہی رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی دو تاجر حضرات اپس میں دوست ہوں تو ان کی گفتگو کا مرکز و محور لین دین کے معاملات مہنگائی، ذخیرہ اندوزی وغیرہ پر کے گرد گھومتے ہیں۔ مطلب ہر شعبہ زندگی کے جو دوست ہوتے ہیں ان کا موضوع سخن اپنے شعبے کے متعلق ہی رہتا ہے۔ ن چونکہ ناصر کاظمی کو ایک بہت بڑا شاعر کہا جاتا ہے اور ان کی شاعری کا محور و مرکز بالعموم ان کی ہندوستان سے پاکستان ہجرت ہی رہی ہے۔ اگر اس غزل کا جائزہ لیا جائے تو اس میں یہ بات بالکل کھل کے سامنے آتی ہے جس کا ذکر بارہا اپنے وہ دوستوں سے بھی کیا کرتے تھے کہ وہ انبالہ سے پاکستان اپنی ہجرت کو اور بالخصوص اس ہجرت میں جو ان کی آنکھوں کے سامنے دلخراش واقعات پیش آئے اس کو نہیں بھول پائے تھے۔

اے دوست ہم نے ترکِ تعلق کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

ویسے بھی دوستی کا مقصد ہی ذہنی ہم آہنگی اور یکساں موضوعاتِ گفتگو ہوتا ہے۔ دو دوست جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو وہ بالعموم باہمی دلچسپی کے موضوعات ہی زیر بحث لاتے ہیں۔ دو مختلف انداز فکر کے لوگ لوگوں کی دوستی کبھی بھی دیر پا نہیں چل پاتی بلکہ ایسے لوگ محض وقت پاس کے لیے چند باتوں کا سہارا لے لیتے ہیں۔ ناصر کاظمی کے اس شعر کا مفہوم یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ میری دوستی کی وجہ سے اور صرف محبوب کی گفتگو ہی ہوتی ہے۔ محبوب کے حسن و جمال کا تذکرہ بھی ہو سکتا ہے، اس کی بے وفائیوں کا ذکر کرنا اور انسان جب اپنی کسی دوست سے اپنی کسی پسندیدہ شخصیت یا چیز کے بارے میں بات چیت کرتا ہے تو اسے ویسے بھی وقت گزرنے کا احساس ہوتا ہی نہیں ہے وہ اپنی من پسند چیز کے بارے میں گفتگو کرتا ہی چلا جاتا ہے اور آگے سے اگر دوست بھی اس کی اس کا فطرت شناس ہو اس کے دل کی رمز کو سمجھتا ہو تو ایسے دوست کے ساتھ دوستی کا نبھانے میں مزہ آتا ہے۔ ناصر ناصر کاظمی خود بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی شخص تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

شعر نمبر6:

میری ساری عمر میں
ایک ہی کمی ہے تو

حوالہ شعر:

صنفِ سخن: غزل
شاعر کا نام: ناصر کاظمی
ماخذ: کلیاتِ ناصر

مفہوم:

اس میں شاعر اپنی زندگی کی سب سے بڑی کمی کو بیان کرتا ہے جو محبوب کی غیر موجودگی کے نتیجے میں محسوس ہوتی ہے۔

تشریح:۔

اس حقیقت سے کیا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ انسان کا دل ویران ہو، تو اسے ہر طرف ویرانی ہی نظر آتی ہے۔ ہر شاعر کے پاس زندگی کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، جنہیں وہ وقفے وقفے سے اشعار کی شکل میں ڈھالتا رہتا ہے ان کی شاعری میں اداسی کی گہری چھاپ کا سبب ان کی زندگی میں پے در پے رونما ہونے والے ایسے حادثات تھے، جنہوں نے ہمیشہ انہیں مضطرب رکھا۔ ایک مستقل اداسی، تنہائی، مالی مشکلات، ادھوری تعلیم، ہجرت، دوست احباب سے جدائی، احساس محرومی اور ناکامی عشق نے ہمیشہ ان کی زندگی میں ہلچل مچائے رکھی۔ انہی حالات کے پیش نظر ہی انہوں نے کہا تھا:

تمام عمر یونہی ہم نے دکھ اٹھایا ہے
زیادہ خرچ کیا اور کم کمایا ہے

ناصر کی اداسی کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ ابتدائی عمر میں عشق کی ناکامی بھی تھی۔ ہجر کے اس صدمے نے انہیں بے حد "حساس" اور "غم پسند" بنا دیا تھا۔ ابھی یہ زخم تازہ تھا کہ تقسیم ملک پر انہیں اپنی جائے پیدائش سے ہمیشہ کے لئے ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا۔ تقسیم کے عمل نے ان کی روح کو بری طرح زخمی کر دیا۔

تو جو اتنا اداس ہے ناصر
تجھے کیا ہو گیا، بتا تو سہی

ناصر کے مزاج کی یہی کیفیات اور زندگی کے اتار چڑھاؤ وقت کے ساتھ ساتھ کندن بن کر ان کی شاعری میں ڈھلتے گئے۔ انسان اپنی ساری زندگی کوئی نہ کوئی کمی، کوتاہی، کسی خواہش کی تکمیل کا منتظر رہتا ہے۔ کوئی محبوب کی رضا کا طالب ہوتا ہے، کوئی دولت مال و دولت کے انبار چاہتا ہے، کوئی شہرت کا بھوکا ہوتا ہے، کوئی دو وقت کی روٹی کا سوالی ہوتا ہے، کوئی علوم و فنون کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے، کوئی حسن و جمال کا طلب گار ہوتا ہے، لیکن انسان کی یہ کمی ساری عمر رہ جاتی ہے اور یہ پھر کسک بن کے سامنے آتی رہتی ہے۔ انسانی زندگی خواہشات کا لامتناہی سلسلہ اسے ہمیشہ بے چین اور تکلیف میں مبتلا رکھتا ہے۔ تجسس اور خواہش کا مادہ انسان کو ہمیشہ اگے بڑھنے کے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے۔ اور دنیا میں شاید ہی کوئی انسان اپنے مقصد اپنی خواہش کی تکمیل میں کامیاب ہو پاتا ہے۔

ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصر
اداسی بال کھولے سو رہی ہے

شعر نمبر7:

میں تو وہ نہیں رہا
ہاں مگر وہی ہے تو

حوالہ شعر:

صنفِ سخن: غزل
شاعر کا نام: ناصر کاظمی
ماخذ: کلیاتِ ناصر

مفہوم:

میری شخصیت تو تبدیل ہو چکی ہے لیکن اے میرے محبوب تو ویسے کا ویسا ہی ہے۔

تشریح:۔

بنیادی طور پر ناصر کی شعری شخصیت کی رنگا رنگی اور تب و تاب کا محرک عشق ہے۔ عشق ان کی تخلیقی قوت کو متحرک کرتا ہے۔ وہ جذبۂ عشق سے سیر اب ہیں مگر اس کو اپنے مخصوص تہذیبی اور سماجی ماحول سے الگ نہیں کرتے، آسمانوں میں پرواز کرنے کے باوجود ان کے قدم زمین پر رہتے ہیں۔ وہ جس محبوب کو چاہتے ہیں اس کی دوری کے شکوہ سنج اور اس کی قربت کے آرزو مند ہیں لیکن وہ قربِ محبوب سے محروم ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ دکھ اور کرب سے گزرتے ہیں اور جگر سوز کیفیت کو محسوس کرتے ہیں اس تناظر میں ان کا عشق جسمانی وصل کی آرزو تک محدود نہیں رہتا بلکہ ان کی شخصیت کی گہرائیوں میں اتر کر انسان کی ازلی خواہش یعنی طلب و آرزو میں ڈھل جاتا ہے۔ اس طرح عشق ان کے ہاں ہمہ رنگ ہو جاتا ہے۔ ناصر کے یہاں عشق انسانی رشتوں کی سچائی، دل آویزی اور جذب و کشش کے ساتھ ساتھ شکست دل کے المیے میں ڈھل جاتا ہے۔ محبت اور عشق میں سب سے اہم جزو اپنی ذات کو محبوب کے سامنے فنا کرنا ہے۔ خود کی انا کو غلام کرنا اور اسے کسی کا تابع کر دینا ہی محبت کی اصل ہے۔ عشقِ مجازی میں انسان کسی ایک شے کے سامنے خود کی انا کو سرنگوں کرتا ہے، جبکہ عشقِ حقیقی میں اس کی انا کُل کائنات کو سربسجود ہوتی ہے۔ محبت کا سفر بہت لمبا اور مرتبے والا سفر ہے۔ بہر صورت ذات ذرہء بے نشاں ہوتی ہی ہے۔ فضل ہو جائے، تو عشقِ مجازی، عشقِ حقیقی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اپنی بے مائیگی اور کائنات کی ہر شہ کی کبریائی کا یقین نصیب ہوتا ہے۔ فقر کا ہدیہ ملتا ہے۔ عرفان نصیب ہوتا ہے۔ وہ سکون ملتا ہے، جسے زوال نہیں۔ مادیت سے بے نیازی نصیب ہوتی ہے۔ اس مضمون کو فنابلند پوری صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔

جو مٹا ہے تیرے جمال پر وہ ہر ایک غم سے گزر گیا
ہوئیں جس پہ تیری نوازشیں وہ بہار بن کے سنور گیا

ناصر کاظمی صاحب بھی عشق کے اس بلند مرتبے پر ہیں۔ جہاں وہ اپنی ذات کو محبوب میں فنا کر چکے ہیں۔ محبوب سے یہی گلا کر رہے ہیں، کہ میں تو اپنی ذات کو محو کر چکا ہوں، مٹا چکا ہوں لیکن تیری شخصیت، تیرا انداز تفکر، تیری مجھ سے بے رغبتی ویسے کی ویسے ہی ہے۔

ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زندگی کی تکالیف، مصائب، آلام ویسے ہی ہیں۔ لیکن ناصر کاظمی صاحب یہ بیان کرنے کی اب میں نے زندہ رہنے کا ہنر سیکھ لیا ہے۔ حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا ہے۔ زندگی میں انسان تب ہی آگے بڑھ سکتا ہے جب وہ اپنے ارد گرد کے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لے۔ کیونکہ زندگی، دن رات کا گھن چکر، مصائب، مسائل یہ ویسے کی ویسے ہی رہتے ہیں۔ انسان کو اپنے آپ کو تبدیل کرنا پڑتا ہے، ماضی کو پس پشت آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ ورنہ انسان ہی کی جگہ رک جائے تو زندگی جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔

شعر نمبر 8:

ناصر آس دیار میں
کتنا اجنبی ہے تو

حوالہ شعر:

صنفِ سخن:	غزل
شاعر کا نام:	ناصر کاظمی
ماخذ:	کلیاتِ ناصر

مفہوم:

اس بھری دنیا میں ناصر تو اکیلا رہ گیا ہے۔

تشریح:۔

اس حقیقت سے کیا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ انسان کا دل ویران ہو، تو اسے ہر طرف ویرانی ہی نظر آتی ہے۔ ہر شاعر کے پاس زندگی کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، جنھیں وہ وقتے وقتے سے اشعار کی شکل میں ڈھالتا رہتا ہے۔ بعض نقاد اعتراض کرتے ہیں کہ اس طریقے سے شاعر فکری تضادات کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا پورا شعری فلسفہ ایک سوالیہ نشان بن جاتا ہے حالاں کہ یہ بات درست نہیں، یہ تو شاعر کی مختلف ذہنی کیفیات اور تجربات ہیں، جو وہ بیان کرتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے شاعر کو کسی ایک مخصوص رنگ فکر یا نظریے کا تو پابند نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وہ رنگ ہیں۔ جب لوگ اپنے معاشرے کی موجودہ حالت، اصول، قواعد، ثقافت و اقدار سے مربوط ہونے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو خود کو اجنبیت اور بیگانگی کے حصار میں محصور کر لیتے ہیں۔

ناصر کاظمی کی باطنی اجنبیت اسے وحشت کا احساس دلا رہی ہے۔ جو انہیں اپنی ماضی سے نکلنے نہیں دے رہا۔ ہجرت کے خون خوار واقعات، اپنے گھر بار کو چھوڑنا تقسیم پاکستان کا المناک حادثہ، ان سب واقعات کا ان کی زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا۔ ان کی شاعری میں اس کی چھاپ نظر آتی ہے۔ وہ زندگی بھر اسی اذیت و تکلیف میں مبتلا رہے اور اپنے اپ کو معاشرے کے ساتھ نہ چلا پائے اس شعر میں وہ اسی اجنبیت کا ذکر کر رہے ہیں۔

گئے دنوں کا سراغ لے کر کہاں سے آیا کدھر گیا وہ

عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

انسان کی زندگی میں بعض اوقات ایسے حادثات اور واقعات ہوتے ہیں جب انسان اپنے آپ کو بالکل بے بس اور اجنبی محسوس کرتا ہے۔ اس کیفیت کو ہم دیوانگی اور جنون کا نام دیتے ہیں۔ جب وہ ہر ایک سے، اپنے ارد گرد کے حالات سے، اپنے عزیز و اقارب سے، وحشت محسوس کرتا ہے۔ وہ ایسا لمحہ ہوتا ہے جب اس کو بہت زیادہ صبر، استقامت حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ یہ وحشت جنونیت میں منتقل ہو کر تباہی مچاتی ہے۔ اس کسک کو وہ ایک شعر میں یوں بھی بیان کرتے ہیں۔

نہ اب وہ یادوں کا چڑھتا دریا، نہ فرصتوں کی اداس برکھا
یونہی ذرا سی کسک ہے دل میں، جو زخم گہرا تھا بھر گیا وہ

مشقی سوالات

سوال نمبر1: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

الف. "غم ہے یا خوشی" شاعر نے ہر حال میں زندگی کو کیسے قرار دیا ہے؟

جواب:

زندگی کی کیفیت

شاعر بیان کرتا ہے کہ زندگی میں خوشیاں ہو یا غم ہوں بہر حال زندگی تو گزارنی پڑتی ہے کیونکہ زندگی اسی کا نام ہے۔

ب. شاعر نے آفتوں کے دور میں چین کی گھڑی کسے کہا ہے؟

جواب:

چین کی گھڑی

شاعر نے آفتوں کے دور میں محبوب کی یاد کو چین کی گھڑی کہا ہے۔

ج. شاعر نے اپنے آپ کو خزاں کی شام کیوں کہا ہے؟

جواب:

خزاں کی شام

شاعر نے اپنے آپ کو خزاں کی شام اس لیے کہا ہے تاکہ اپنی زندگی کی تنہائی، پسماندگی، اور مایوسی کو ظاہر کر سکے، جیسے خزاں کی شام میں سب کچھ مدھم اور خاموش ہوتا ہے۔

د. شاعر کے نزدیک دوستوں کے درمیاں دوستی کی وجہ کیا ہے؟

جواب:

دوستی کی وجہ

شاعر کے نزدیک دوستوں کے درمیان دوستی کی وجہ محبت اور وفاداری ہے، جو انہیں ایک دوسرے کے قریب کرتی ہے اور ان کے تعلقات کو مضبوط بناتی ہے۔

ہ. شاعر نے اس دیار میں اپنے آپ کو اجنبی کیوں کہا ہے؟

جواب:

اجنبی

شاعر نے اپنے آپ کو اس دیار میں اجنبی اس لیے کہا کہ وہ تنہا ہے، معاشرے سے لاتعلق ہے اور اپنے ماضی میں کھویا ہوا ہے۔

سوال نمبر2: کالم (الف) کے مصرعِ اوّل کو کالم (ب) کے مصرعِ ثانی کے ساتھ اس طرح ملائیں کہ شعر مکمل ہو جائے۔

جواب :

کالم الف	کالم ب
غم ہے یا خوشی ہے تو	میری زندگی ہے تُو
آفتوں کے دور میں	چین کی گھڑی ہے تُو
میری رات کا چراغ	میری نیند بھی ہے تُو
میں خزاں کی شام ہوں	رُت بہار کی ہے تُو
میں تو وہ نہیں رہا	ہاں مگر وہی ہے تُو

سوال نمبر3: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

چین کی گھڑی، خزاں، رُت، وجہ دوستی، دیار، اجنبی

جواب:

الفاظ کا جملوں میں استعمال

Academy

الفاظ و تراکیب	جملے
چین کی گھڑی	انسا ن کی زندگی میں چین کی چند گھڑیاں مشکل سے میسر آتی ہیں۔
خزاں	خزاں کے موسم کی شام ہر انسان کو اُداس کر دیتی ہیں۔
رُت	بہار کی رُت کی حوصلے کا پیغام دیتی ہے۔
وجہ دوستی	انسان کے مشترکہ مفادات وجہ دوستی ہوتے ہیں۔
دیار	دیار غیر میں رہنے والے مسافر وطن کے لیے بے چین رہتے ہیں۔
اجنبی	غیر وطن میں انسان اجنبی کی طرح رہتا ہے۔

سوال نمبر4: شاعر نے اپنی غزل کے مطلع میں کون سی صنعت استعمال کی ہے، نشان دہی کریں۔

جواب: **صنعت کی نشان دہی**

غم ہے یا خوشی ہے تُو
میری زندگی ہے تُو

اس شعر میں شاعر نے غم اور خوشی جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جو کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں اسی لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مطلع میں صنعتِ تضاد کا استعمال ہوا ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

درست جواب کی نشان دہی کریں۔

44. **سید ناصر کاظمی کا انتقال ہوا۔**
(A) ۱۹۷۰ء (B) ۱۹۷۲ء (C) ۱۹۷۴ء (D) ۱۹۷۶ء

45. **ناصر کاظمی کا اصل نام ہے:**
(A) سید ناصر رضا کاظمی (B) حیدر کاظمی (C) ناصر علی (D) سید کاظمی

46. **ناصر کاظمی کے والد فوج میں تھے۔**
(A) کرنل (B) حوالدار (C) صوبے دار (D) صوبے دار میجر

47. **ناصر کاظمی نے میٹرک کیا۔**
(A) مسلم سکول لاہور سے (B) دہلی سکول سے (C) مسلم ہائی انبالہ سے (D) سینٹرل ہائی سکول سے

48. **ناصر کاظمی نے لاہور کی طرف ہجرت کی:**
(A) انبالہ سے (B) لکھنؤ سے (C) حیدر آباد سے (D) دہلی سے

49. **ملازمت کا آغاز کیا:**
(A) روزنامہ جنگ سے (B) روزنامہ زمین دار سے (C) ڈان اخبار سے (D) مجلہ اوراق نو سے

50. **ناصر کاظمی ریڈیو پاکستان لاہور سے منسلک ہوئے:**
(A) ۱۹۵۵ء میں (B) ۱۹۶۴ء میں (C) ۱۹۶۸ء میں (D) ۱۹۷۰ء میں

51. **ناصر کاظمی کی شاعر کا آغاز ہوا:**
(A) زمانہ طالب علمی سے (B) لڑکپن سے (C) جوانی سے (D) کالج کے زمانہ سے

52. **ناصر کاظمی کی پہلی غزل شائع ہوئی:**
(A) ۱۹۴۰ء میں (B) ۱۹۴۵ء میں (C) ۱۹۵۰ء میں (D) ۱۹۵۵ء میں

.53 ناصر کاظمی کی شاعری میں کس کی سی اُداسی نظر آتی ہے:

(A) خواجہ الطاف حسین حالی (B) سید انشاء اللہ خاں (C) میر تقی میر (D) مرزا غالب

.54 غم ہے یا خوشی ہے لیکن ہے تو

(A) خواہش (B) اُداسی (C) لگن (D) زندگی

.55 آفتوں کے دور میں چین کی گھڑی ہے:

(A) ماضی کی یاد (B) نفرت (C) محبوب کی یاد (D) مال واسباب

.56 ناصر کاظمی اپنے آپ کو خزاں کی قرار دیتے ہیں:

(A) شام (B) صبح (C) آگاہی (D) کرب

.57 دوستوں کے درمیان تو ہے:

(A) دشمنی (B) وجہ دوستی (C) تلخی (D) بغض

.58 شاعر کے لیے ایک ہی کمی ہے

(A) زندگی بھر (B) ساری عمر میں (C) احساس کی (D) جذبے کی

.59 میں وہ نہیں رہا لیکن محبوب ہے

(A) وہی (B) اجنبی (C) بیزار (D) بے رغبت

.60 ناصر کاظمی اجنبی ہے

(A) دنیا میں (B) جہان میں (C) دوستوں میں (D) دیار میں

.61 شاملِ کتاب غزل کا ماخذ ہے:

(A) کلیاتِ ناصر (B) کلیاتِ ناصر کاظمی (C) ناتمام (D) اجنبی ہے تو

LAST HOPE STUDY

کثیر الانتخابی سوالات کے جوابات

C	10	B	9	A	8	B	7	D	6	A	5	C	4	D	3	A	2	B	1
				B	18	D	17	A	16	B	15	B	14	A	13	C	12	D	11